شکوہ شکایت

پہلی بار: ہندی میں ''گلہ'' کے عنوان سے اپریل 1932ء میں شائع ہوا

اردو میں: ''جامعہ'' جنوری 1938ء

کتابی صورت میں: فروری 1938ء (واردات)

زندگی کا بڑا حصہ تو اسی گھر میں گزر گیا مگر کبھی آرام نہ نصیب ہوا میرے شوہر دنیا کی نگاہ میں بڑے نیک اور خوش خلق اور فیاض اور بیدار مغز ہوں گے، لیکن جس پر گزرتی ہے وہ ہی جانتا ہے دنیا کو تو ان لوگوں کی تعریف میں مزا آتا ہے جو اپنے گھر کو جہنم میں ڈال رہے ہوں اور غیروں کے پیچھے اپنے آپ کو تباہ کیے ڈالتے ہوں۔ جو گھر والوں کے لیے مرتا ہے اس کی تعریف دنیا والے نہیں کرتے۔ وہ تو ان کی نگاہ میں خودغرض ہے، بخیل ہے، تنگ دل ہے، مغرور ہے، کور باطن ہے۔ اسی طرح جو لوگ باہر والوں کے لیے مرتے ہیں ان کی تعریف گھر والے کیوں کرنے لگے۔ اب انہیں کو دیکھو، صبح سے شام تک مجھے پریشان کیا کرتے ہیں، باہر سے کوئی چیز منگواؤ تو ایسی دکان سے لائیں گے جہاں کوئی گاہک بھول کر بھی نہ جاتا ہو۔ ایسی دکانوں پر نہ چیز اچھی ملتی ہے نہ وزن ٹھیک ہوتا ہے نہ دام ہی مناسب یہ نقائص نہ ہوتے تو وہ دکان بدنام ہی کیوں ہوتی انہیں ایسی ہی دکانوں سے سودا سلف خریدنے کا مرض ہے بارہا کہا کسی چلتی ہوئی دکان سے چیزیں لایا کرو، وہاں مال زیادہ کھپتا ہے اس لیے تازہ مال آتا رہتا ہے مگر نہیں ٹٹ پونجیوں

سے ان کو ہمدردی ہے اور وہ انہیں الٹے استرے سے مونڈتے ہیں گیہوں لائیں گے تو سارے بازار سے خراب، گھنا ہوا، چاول ایسا موٹا کہ بیل بھی نہ پوچھے دال میں کنکر بھرے ہوئے منوں لکڑی جلا ڈالے، وکیا مجال کہ گلے، گھی لائیں گے تو آدھوں آدھ تیل، اور نرخ اصلی گھی سے ایک چھٹانک کم تیل لائیں گے تو ملاوٹ کا بالوں میں ڈالو تو چٹ جائیں، مگر دام دے آئیں گے اعلا درجے کے چنبیلی کے تیل کے، چلتی ہوئی دکان پر جاتے تو جیسے انہیں ڈر لگتا ہے۔ شاید اونچی دکان اور پھیکے پکوان کے قائل ہیں میرا تجربہ کہتا ہے کہ نیچی دکان پر سڑے پکوان ہی ملتے ہیں۔

ایک دن کی بات ہو تو برداشت کر لی جائے روز روز کی یہ مصیبت برداشت نہیں ہوتی ہیں کہتی ہوں آخر تم پونجیوں کی دکان پر جاتے ہی کیوں ہیں۔ کیا ان کی پرورش کا ٹھیکہ تمہیں نے لے لیا ہے آپ فرماتے ہیں مجھے دیکھ کر ہلانے لگتے ہیں خوب! ذرا انہیں بلا لیا اور خوشامند کے دو چار الفاظ سنا دیے، بس آپ کا مزاج آسمان پر جا پہنچا۔ پھر انہیں سدھ نہیں رہتی کہ وہ کوڑا کرکٹ باندھ رہا ہے یا کیا۔ پوچھتی ہوں تم اس راستے سے جاتے ہی کیوں ہو؟ کیوں کسی دوسرے راستے سے نہیں جاتے؟ ایسے اٹھائی گیروں کو منہ ہی کیوں لگاتے ہو؟ اس کا کوئی جواب نہیں ایک خموشی سو بلاؤں کو ٹالتی ہے۔

ایک بار ایک زیور بنوانا تھا میں تو حضرت کو جانتی تھی ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ سمجھی ایک پہچان کے سنار کو بلا رہی تھی۔ اتفاق سے آپ بھی موجود تھے بولے یہ فرقہ بالکل اعتبار کے قابل نہیں دھوکا کھاؤ گی۔ میں ایک سنار کو جانتا ہوں

میرے ساتھ کا پڑھا ہوا ہے برسوں ساتھ ساتھ کھیلے ہیں میرے ساتھ چال بازی نہیں کر سکتا میں نے سمجھا جب ان کا دوست ہے اور وہ بھی بچپن کا، تو کہاں تک دوستی کا حق نہ نبھائے گا۔ سونے کا ایک زیور اور پچاس روپے ان کے حوالے کیے، اور اس بھلے آدمی نے وہ چیز اور روپے نہ جانے کس بے ایمان کو دے دیے کہ برسوں کے پیہم تقاضوں کے بعد جب چیز بن کر آئی تو روپے میں آٹھ آنے تانبا، اور اتنی بدنما کہ دیکھ کر گھن آتی تھی، برسوں کا ارمان خاک میں مل گیا۔ رو پیٹ کر بیٹھ رہی۔ ایسے ایسے وفادار تو ان کے دوست ہیں جنہیں دوست کی گردن پر چھری پھیرنے میں عار نہیں۔ ان کی دوستی بھی انہیں لوگوں سے ہے جو زمانہ بھر کے فاقہ مست، قلانچ، بے سروسامان ہیں، جن کا پیشہ ہی ان جیسے آنکھ کے اندھوں سے دوستی کرنا ہے۔ روز ایک نہ ایک صاحب مانگنے کے لیے سر پر سوار رہتے ہیں اور بلا لیے گلا نہیں چھوڑتے۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے روپے ادا کیے ہوں آدمی ایک بار کھو کر سیکھتا ہے، دو بار کھو کر سیکھتا ہے، مگر یہ بھلے مانس ہزار بار کھو کر بھی نہیں سیکھتے۔ جب کہتی ہوں روپے تو دے آئے اب مانگ کیوں نہیں لاتے کیا مر گئے تمہارے دوست؟ تو بس بغلیں جھانک کر رہ جاتے آپ سے دوستوں کو سوکھا جواب نہیں دیا جاتا خیر سوکھا جواب نہ دو میں یہ بھی نہیں کہتی کہ دوستوں سے بے مروتی کرو مگر ٹال تو سکتے ہو کیا بہانے نہیں بنا سکتے ہو؟ مگر آپ انکار نہیں کر سکتے کسی دوست نے کچھ طلب کیا اور آپ کے سر پر بوجھ پڑا۔ بے چارے کیسے انکار کریں آخر لوگ جان جائیں گے یہ حضرت بھی فاقہ مست ہیں دنیا انہیں امیر سمجھتی ہے چاہے میرے زیور ہی کیوں نہ گروی رکھنے پڑیں۔ سچ کہتی ہوں بعض اوقات ایک

ایک پیسے کی تنگی ہو جاتی ہے اور اس بھلے آدمی کو روپے جیسے گھر میں کاٹتے ہیں۔ جب تک روپے کے وارے نیارے نہ کر لے اسے کسی پہلو قرار نہیں۔ ان کے کرتوت کہاں تک کہوں میرا تو ناک میں دم آ گیا۔ ایک نہ ایک مہمان روز بلائے بے درماں کی طرح سر پر سوار نہ جانے کہاں کے بے فکرے ان کے دوست ہیں کوئی کہیں سے آ کر مرتا ہے، کوئی کہیں سے۔ گھر کیا ہے اپاہجوں کا اڈا ہے ذرا سا تو گھر، مشکل سے دو تو چارپائیاں، اوڑھنا، بچھونا بھی بافراط نہیں مگر آپ ہیں کہ دوستوں کو دینے کے لیے تیار آپ تو مہمان کے ساتھ لیٹیں گے اس لیے انہیں چارپائی بھی چاہیے، اوڑھنا بچھونا بھی چاہیے ورنہ گھر کا پردہ کھل جائے، جاتی ہے تو میرے اور بچوں کے سر۔ زمین پر پڑے سکڑ کر رات کاٹتے ہیں، گرمیوں میں تو خیر مضائقہ نہیں لیکن جاڑوں میں تو بس قیامت ہی آ جاتی ہے گرمیوں میں بھی کھلی چھت پر تو مہمانوں کا قبضہ ہو جاتا ہے اب میں بچوں کے لیے قفس میں پڑی تڑپا کروں۔ اتنی سمجھ بھی نہیں کہ جب گھر کی یہ حالت ہے تو کیوں ایسوں کو مہمان بنائیں جن کے پاس کپڑے لتے تک نہیں خدا کے فضل سے ان کے سبھی دوست ایسے ہی ہیں ایک بھی خدا کا بندہ ایسا نہیں، جو ضرورت کے وقت ان کے دھیلے سے بھی مدد کر سکے۔ دو ایک بار حضرت کو اس کا تجربہ اور بے حد تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر اس مرد خدا نے تو آنکھیں کھولنے کی قسم کھا لی ہے ایسے ہی ناداروں سے ان کی پٹتی ہے، ایسے ایسے لوگوں سے آپ کی دوستی ہے کہ کہتے شرم آتی ہے جسے کوئی اپنے دروازے پر کھڑا بھی نہ ہونے دے، وہ آپ کا دوست ہے، شہر میں اتنے امیر کبیر ہیں آپ کا کسی سے بھی ربط ضبط نہیں، کسی کے پاس نہیں جاتے، امراء مغرور ہیں،

مدمغ ہیں، خوشامد پسند ہیں، ان کے پاس کیسے جائیں، دوستی گانٹھیں گے ایسوں سے جن کے گھر میں کھانے کو بھی نہیں۔

ایک بار ہمارا خدمت گار چلا گیا اور کئی دن دوسرا خدمت گار نہ ملا میں کسی ہوشیار اور سلیقہ مند نوکر کی تلاش میں تھی مگر بابو صاحب کو جلد سے جلد کوئی آدمی رکھ لینے کی فکر سوار ہوئی گھر کے سارے کام بدستور چل رہے تھے مگر آپ کو معلوم ہو رہا تھا کہ گاڑی رکی ہوئی ہے۔ ایک دن جانے کہاں سے ایک بانگڑو کو پکڑ لائے اس کی صورت سے دیتی تھی کہ کوئی جانگلو ہے مگر آپ نے اس کی ایسی ایسی تعریفیں کیں کہ کیا کہوں! بڑا فرماں بردار ہے، پرلے سرے کا ایمان دار، بلا کا محنتی، غضب کا سلیقہ شعار اور انتہا درجہ کا باتمیز، خیر میں نے رکھ لیا میں بار بار کیوں کر ان کی باتوں میں آ جاتی ہوں، مجھے خود تعجب ہے یہ آدمی صرف شکل سے آدمی تھا آدمیت کی کوئی علامت اس میں نہ تھی کسی کام کی تمیز نہیں بے ایمان نہ تھا مگر احمق اول نمبر کا، بے ایمان ہوتا تو کم سے کم اتنی تسکین تو ہوتی کہ خود کھاتا ہے کم بخت دکان داروں کی فطرتوں کا شکار ہو جاتا تھا اسے دس تک گنتی بھی نہ آتی تھی ایک روپیہ دے کر بازار بھیجوں تو شام تک حساب نہ سمجھا سکے غصہ پی پی کر رہ جاتی تھی خون جوش کھانے لگتا تھا کہ سور کے کان اکھاڑ لوں مگر ان حضرت کو کبھی اسے کچھ کہتے نہیں دیکھا۔ آپ نہا کر دھوتی چھانٹ رہے ہیں اور وہ دور بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے میرا خون کھولنے لگتا لیکن انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا جب میرے ڈانٹنے پر دھوتی چھانٹنے جاتا بھی تو آپ اسے قریب نہ آنے دیتے اس کے عیبوں کو ہنر بنا کر دکھایا کرتے تھے اور اس کوشش میں کامیاب نہ ہوتے تو ان عیوب پر پردہ ڈال

دیتے تھے۔ کم بخت کو جھاڑو دینے کی بھی تمیز نہ تھی مردانہ کمرہ ہی تو سارے گھر میں ڈھنگ کا ایک کمرہ ہے، اس میں جھاڑو دیتا تو ادھر کی چیز ادھر، اوپر کی نیچے گویا سارے کمرے میں زلزلہ آ گیا ہو اور گرد کا یہ عالم کہ سانس لینی مشکل مگر آپ کمرے میں اطمینان سے بیٹھے رہتے گویا کوئی بات ہی نہیں ایک دن میں نے اسے خوب ڈانٹا اور کہہ دیا ''اگر کل سے تو نے سلیقے سے جھاڑو نہ دی تو کھڑے کھڑے نکال دوں گی'' سویرے سو کر اٹھتی تو دیکھتی ہوں کمرے میں جھاڑو دی ہوئی ہے ہر ایک چیز قرینے سے رکھی ہے گرد و غبار کا کہیں نام نہیں آپ نے فوراً ہنس کر کہا ''دیکھتی کیا ہو آج گھورے نے بڑے سویرے جھاڑو دی ہے میں نے سمجھا دیا تم طریقہ تو بتلاتی نہیں ہو، الٹی ڈانٹنے لگتی ہو'' لیجئے صاحب یہ بھی میری ہی خطا تھی، خیر، میں نے سمجھا اس نالائق نے کم سے کم ایک کام تو سلیقے کے ساتھ کیا اب روز کمرہ صاف ستھرا ملتا، اور میری نگاہوں میں گھورے کی کچھ وقعت ہونے لگی، اتفاق کی بات ایک دن میں ذرا معمول سے سویرے اٹھ بیٹھی اور کمرے میں آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ گھورے دروازے پر کھڑا ہے اور خود مابدولت بڑی تن دہی سے جھاڑ دے رہے ہیں مجھ سے ضبط نہ ہو سکا ان کے ہاتھ سے جھاڑو چھین لی اور گھورے کے سر پر پٹک دی حرام خور کو اسی وقت دھتکار بتائی آپ فرمانے لگائے اس کی تنخواہ تو بیباق کر دو۔ خوب! ایک تو کام نہ کرے دوسرے آنکھیں دکھائے اس پر تنخواہ بھی دے دوں میں نے ایک کوڑی بھی نہ دی ایک کرتا دیا تھا وہ بھی چھین لیا اس پر حضرت کئی دن مجھ سے روٹھے رہے گھر چھوڑ کر بھاگے جا رہے تھے بڑی مشکلوں سے رکے۔

ایک دن مہتر نے اتارے کپڑوں کا سوال کیا۔ اس بے کاری کے زمانے میں فالتو کپڑے کس کے گھر میں ہیں، شاید رئیسوں کے گھر میں ہوں۔ میرے یہاں تو ضروری کپڑے بھی نہیں۔ حضرت علی کا توشہ خانہ ایک بقچی میں آجائے گا جو ڈاک کے پارسل سے کہیں بھیجا جا سکتا ہے پھر اس سال سردی کے موسم میں نئے کپڑے بنوانے کی نوبت بھی نہ آئی تھی۔ میں نے مہتر کو صاف جواب دے دیا۔ سردی کی شدت تھی اس کا مجھے خود احساس تھا غریبوں پر کیا گزرتی ہے، اس کا بھی علم تھا۔ لیکن میرے یا آپ کے پاس افسوس کے سوا اور کیا علاج ہے۔ جب روسا اور امرا کے پاس ایک مال گاڑی کپڑوں سے بھری ہوئی ہے تو پھر غربا کیوں نہ برہنگی کا عذا جھیلیں، خیر، میں نے تو اسے جواب دے دیا آپ نے کیا کیا، اپنا کوٹ اتار کر اس کے حوالے کر دیا میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ حضرت کے پاس یہی ایک کوٹ تھا، یہ خیال نہ ہوا کہ پہنیں گے کیا۔ مہتر نے سلام کیا، دعائیں دیں اور اپنی راہ لی، آخر کئی دن سردی کھاتے رہے صبح کو گھومنے جایا کرتے تھے، وہ سلسلہ بند ہو گیا مگر دل بھی قدرت نے انہیں عجیب قسم کا دیا ہے! پھٹے پرانے کپڑے پہنتے آپ کو شرم نہیں آتی۔ میں تو کٹ جاتی ہوں آپ کو مطلق احساس نہیں کوئی ہنستا ہے تو ہنسے آپ کی بلا سے، آخر مجھ سے دیکھا نہ گیا تو ایک کوٹ بنوا دیا جی تو جلتا تھا کہ خوب سردی کھانے دوں مگر ڈری کہ کہیں بیمار پڑ جائیں تو اور بھی آفت آجائے۔ آخر کام تو انہیں کو کرنا ہے۔

یہ اپنے دل میں سمجھتے ہوں گے کہ میں کتنا نیک نفس اور منکسر مزاج ہوں شاید انہیں ان اوصاف پر ناز ہو۔ میں انہیں نیک نفس نہیں سمجھتی ہوں یہ سادہ لوحی ہے

سیدھی سادی حماقت، جس مہتر کو آپ نے اپنا کوٹ دیا اسی کو میں نے کئی بار رات شراب کے نشے میں بدمست جھومتے دیکھا ہے اور آپ کو دکھا بھی دیا ہے تو پھر دوسروں کی کج روی کا تاوان ہم کیوں دیں اگر آپ نیک نفس اور فیاض ہوتے تو گھر والوں سے بھی تو فیاضانہ برتاؤ کرتے یا ساری فیاضی باہر والوں کے لیے ہی مخصوص ہے۔ گھر والوں کے اس کا عشر عشیر بھی نہ ملنا چاہیے؟ اتنی عمر گزر گئی مگر اس شخص نے کبھی اپنے دل سے میرے لیے ایک سوغات بھی نہ خریدی۔ بے شک جو چیز طلب کروں اسے بازار سے لانے میں انہیں کلام نہیں، مطلق عذر نہیں مگر روپیا بھی دے دوں یہ شرط ہے۔ انہیں خود کبھی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ میں مانتی ہوں کہ بیچارے اپنے لیے بھی کچھ نہیں لاتے میں جو کچھ منگوا دوں اسی پر قناعت کر لیتے ہیں مگر انسان کبھی کبھی شوق کی چیزیں چاہتا ہی ہے، اور مردوں کو دیکھتی ہوں، گھر میں عورت کے لیے طرح طرح کے زیور، کپڑے، شوق سنگار کے لوازمات لاتے رہتے ہیں۔ یہاں یہ رسم ممنوع ہے بچوں کے لیے بھی مٹھائی، کھلونے، باجے، بگل شاید اپنی زندگی میں ایک بار بھی نہ لائے ہوں۔ قسم سی کھالی ہے اس لیے میں تو انہیں بخیل کہوں گی، مردہ دل ہی کہوں گی۔ فیاض نہیں کہہ سکتی دوسرے کے ساتھ ان کا جو فیاضانہ سلوک ہے اسے میں حرص و نمود اور سادہ لوحی پر محمول کرتی ہوں آپ کی منکسر مزاجی کا یہ حال ہے کہ جس دفتر میں آپ ملازم ہیں اس کے کسی عہدہ دار سے آپ کا میل جول نہیں افسروں کو سلام کرنا تو آپ کے آئین کے خلاف ہے نذر یا ڈالی کی بات تو الگ ہے اور تو اور کبھی کسی افسر کے گھر جاتے ہی نہیں اس کا خمیازہ آپ نہ اٹھائیں تو کون اٹھائے اوروں کو رعایتی چھٹیاں ملتی ہیں، آپ کی

تنخواہ کٹتی ہے۔ اوروں کی ترقیاں ہوتی ہیں آپ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ حاضری میں پانچ منٹ بھی دیر ہو جائے تو جواب طلب ہو جاتا ہے بچارے جی توڑ کر کام کرتے ہیں کوئی پیچیدہ، مشکل کام آ جائے تو انہیں کے سر منڈھا جاتا ہے انہیں مطلق عذر نہیں دفتر میں انہیں گھسو اور پسو وغیرہ خطابات بھی ملے ہوئے ہیں۔ مگر منزل کتنی ہی دشوار طے کریں ان کی تقدیر میں وہی سوکھی گھاس لکھی ہے۔ یہ انکسار نہیں ہے میں تو اسے زمانہ شناسی کا فقدان کہتی ہوں آخر کیوں کوئی شخص آپ سے خوش ہو؟ دنیا میں مروت اور رواداری سے کام چلتا ہے، اگر ہم کسی سے کھنچے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہم سے نہ کھنچا رہے، پھر جب دل میں کبیدگی ہوتی ہے تو وہ دفتری تعلقات میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ جو ماتحت افسر کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے، جس کی ذات سے افسر کو کوئی ذاتی فائدہ پہنچتا ہے، جس پر اعتبار ہوتا ہے اس کا لحاظ وہ لازمی طور پر کرتا ہے۔ ایسے بے غرضوں سے کیوں کسی کو ہمدردی ہونے لگی۔ افسر بھی انسان ہیں ان کے دل میں جو اعزاز و امتیاز کی ہوس ہوتی ہے وہ کہاں پوری ہو جب اس کے ماتحت ہی فرنٹ رہیں آپ نے جہاں ملازمت کی وہیں سے نکالے گئے کبھی کسی دفتر میں سال دو سال سے زیادہ نہ چلے یا تو افسروں سے لڑ گئے یا کام کی کثرت کی شکایت کر بیٹھے۔

آپ کو کنبہ پروری کا دعویٰ ہے آپ کے کئی بھائی بھتیجے ہیں وہ کبھی آپ کی بات بھی نہیں پوچھتے مگر آپ برابر ان کا منہ تاکتے رہتے ہیں ان کے ایک بھائی صاحب آج کل تحصیل دار ہیں گھر کی جائیداد انہیں کی نگرانی میں ہے، وہ شان سے رہتے ہیں، موٹر خرید لی ہے، کئی نوکر ہیں، مگر یہاں بھولے سے بھی خط نہیں

لکھتے۔ ایک بار ہمیں روپے کی سخت ضرورت ہوئی، میں نے کہا اپنے برادر مکرم سے کیوں نہیں مانگتے کہنے لگے کیوں انہیں پریشان کروں آخر انہیں بھی تو اپنا خرچ کرنا ہے کون سی ایسی بچت ہو جاتی ہوگی میں نے بہت مجبور کا ے، تو آپ نے خط لکھا معلوم نہیں خط میں کیا لکھا لیکن روپے نہ آنے تھے نہ آئے، کئی دنوں کے بعد میں نے پوچھا'' کچھ جواب آیا حضور کے بھائی صاحب کے دربار سے؟'' آپ نے ترش ہو کر کہا'' ابھی ایک ہفتہ تو خط بھیجے ہوا ابھی کیا جواب آ سکتا ہے ایک ہفتہ اور گزرا اب آپ کا یہ حال ہے کہ مجھے کوئی بات کرنے کا موقع ہی نہیں عطا فرماتے۔ اتنے بشاش نظر آتے ہیں کہ کیا کہوں باہر سے آتے ہیں تو خوش خوش کوئی نہ کوئی شگوفہ لیے ہوئے، میری خوشامد بھی خوب ہو رہی ہے میرے میکے والوں کی بھی تعریف ہو رہی ہے میں حضرت کی چال سمجھ رہی تھی یہ ساری دلجوئیاں محض اس لیے تھیں کہ آپ کے برادر مکرم کے متعلق کچھ پوچھ نہ بیٹھوں سارے ملکی، مالی، اخلاقی تمدنی مسائل میرے سامنے بیان کیے جاتے تھے۔ تنی تفصیل اور شرح کے ساتھ کہ پروفیسر بھی دنگ رہ جائے محض اس لیے کہ مجھے اس امر کی بابت کچھ پوچھنے کا موقع نہ ملے لیکن میں کیا چوکنے والی تھی، جب پورے دو ہفتے گزر گئے اور بیمہ کمپنی کے روپے روانہ کرنے کی تاریخ موت کی طرح سر پر آ پہنچی تو میں نے پوچھا کیا ہوا؟ تمہارے بھائی صاحب نے دہن مبارک سے کچھ فرمایا یا ابھی تک خط ہی نہیں پہنچا آخر ہمارا حصہ بھی گھر کی جائیداد میں کچھ ہے یا نہیں؟ یا ہم کسی لونڈی باندی کی اولاد ہیں؟ پانچ سو روپے سال کا منافع نو دس سال قبل تھا، اب ایک ہزار سے کم نہ ہوگا کبھی ایک جھنجی کوڑی بھی ہمیں نہ ملی موٹے حساب سے ہمیں

دو ہزار ملنا چاہیے دو ہزار نہ ہو، ایک ہزار ہو، پانچ سو ہو، ڈھائی سو ہو، کچھ نہ ہو تو بیمہ کمپنی کے پریمیم بھرنے کو تو ہو تحصیل دار کی آمدنی ہماری آمدنی سے چوگنی ہے، رشوتیں بھی لیتے ہیں، تو پھر ہمارے روپے کیوں نہیں دیتے آپ ہیں، ہاں ہاں کرنے لگے بیچارے گھر کی مرمت کراتے ہیں۔ عزیز و اقارب کی مہمان داری کا بار بھی تو انہیں پر ہے خوب! گویا جائیداد کا منشا محض یہ ہے کہ اس کی کمائی اسی میں صرف ہو جائے اس بھلے آدمی کو بہانے بھی گھڑنے نہیں آتے۔ مجھ سے پوچھتے میں ایک نہیں ہزار بتا دیتی کہہ دیتے گھر میں آگ لگ گئی۔ سارا اثاثہ جل کر خاک ہو گیا یا چوری ہو گئی چور نے گھر میں تنکا تک نہ چھوڑا یا دس ہزار کا غلہ خریدا تھا اس میں خسارہ ہو گیا گھاٹے سے بیچنا پڑا یا کسی سے مقدمہ بازی ہو گئی اس میں دیوالیہ پٹ گیا آپ کو سوجھی بھی تو لچر سی بات اس جولانی طبع پر آپ مصنف اور شاعر بھی بنتے ہیں تقدیر ٹھونک کر بیٹھ رہی پڑوس کی بی بی سے قرض لیے تب جا کر کہیں کام چلا پھر بھی آپ بھائی بھتیجوں کی تعریف کے پل باندھتے ہیں تو میرے جسم میں آگ لگ جاتی ہے ایسے برادران یوسف سے خدا بچائے۔"

خدا کے فضل سے آپ کے دو بچے ہیں، دو بچیاں بھی ہیں خدا کا فضل کہوں یا خدا کا قہر کہوں، سب کے سب اتنے شریر ہو گئے ہیں کہ معاذ اللہ مگر کیا مجال کہ یہ بھلے مانس کسی بچے کو تیز نگاہ سے بھی دیکھیں۔ رات کے آٹھ بج گئے ہیں، بڑے صاحب زادے ابھی گھوم کر نہیں آئے میں گھبرا رہی ہوں آپ اطمینان سے بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہیں۔ جھلائی ہوئی آتی ہوں اور اخبار چھین کر کہتی ہوں "جا کر ذرا دیکھتے کیوں نہیں لونڈا کہاں رہ گیا نہ جانے تمہارے دل میں کچھ قلق ہے بھی یا

نہیں، تمہیں تو خدا نے اولاد ہی ناحق دی آج آئے تو خوب ڈانٹنا'' تب آپ بھی گرم ہو جاتے ہیں ''ابھی تک نہیں آیا، بڑا شیطان ہے، آج بچا آتے ہیں تو کان اکھاڑ لیتا ہوں، مارے تھپڑوں کے کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔ یوں بگڑ کر طیش کے عالم میں آپ اس کو تلاش کرنے نکلتے ہیں اتفاق سے آپ ادھر جاتے ہیں، ادھر لڑکا آ جاتا ہے میں کہتی ہوں کدھر سے آ گیا۔ وہ بیچارے تجھے ڈھونڈنے گئے ہوئے ہیں۔ دیکھنا آج کیسی مرمت ہوتی ہے یہ عادت ہی چھوٹ جائے گی دانت پیس رہے تھے آتے ہی ہوں گے چھڑی بھی ہاتھ میں ہے، تم اتنے شریر ہو گئے ہو کہ بات نہیں سنتے آج قدر و عافیت معلوم ہو گی لڑکا سہم جاتا ہے اور لیمپ جلا کر پڑھنے لگتا ہے آپ ڈیڑھ دو گھنٹے میں لوٹتے ہیں۔ حیران و پریشان اور بدحواس، گھر میں قدم رکھتے ہی پوچھتے'' آیا کہ نہیں؟

میں ان کا غصہ بھڑکانے کے ارادے سے کہتی ہوں'' آ کر بیٹھا تو ہے جا کر پوچھتے کیوں نہیں، پوچھ کر ہار گئی کہاں گیا تھا کچھ بولتا ہی نہیں''

آپ گرج پڑتے ہیں ''منو یہاں آؤ''

لڑکا تھر تھر کانپتا ہوا آ کر آنگن میں کھڑا ہو جاتا ہے دونوں بچیاں گھر میں چھپ جاتی ہیں کہ خدا جانے کیا آفت نازل ہونے والی ہے چھوٹا بچہ کھڑکی سے چوہے کی طرح جھانک رہا ہے آپ جامے سے باہر ہیں ہاتھ میں چھڑی ہے میں بھی وہ غضب ناک چہرہ دیکھ کر پچھتانے لگتی ہوں کہ کیوں ان سے شکایت کی آپ لڑکے کے پاس جاتے ہیں مگر بجائے اس کے کہ چھڑی سے اس کی مرمت کریں آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بناوٹی غصے سے کہتے ہیں ''تم کہاں گئے تھے جی!

منع کیا جاتا ہے مانتے نہیں ہو خبردار جواب اتنی دیر کی آدمی شام کو گھر چلا آتا ہے یا ادھر ادھر گھومتا ہے؟"

میں سمجھ رہی ہوں یہ تمہدے ہے قصیدہ اب شروع ہوگا، گریز تو بری نہیں لیکن یہاں تمہید ہی خاتمہ ہو جاتی ہے بس آپ کا غصہ فرو ہو گیا لڑکا اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے اور غالباً خوشی سے اچھلنے لگتا ہے۔

میں احتجاج کی صدا بلند کرتی ہوں "تم تو جیسے ڈر گئے، بھلا دو چار تمانچے تو لگائے ہوتے اس طرح تو لڑکے شیر ہو جاتے ہیں آج آٹھ بجے آیا ہے کل نو بجے کی خبر لائے گا اس نے بھی دل میں کیا سوچا ہوگا"

آپ فرماتے ہیں "تم نے سنا نہیں میں نے کتنی زور سے ڈانٹا بچے کی روح ہی فنا گئی دیکھ لینا جو پھر کبھی دیر میں آئے"

"تم نے ڈانٹا تو نہیں ہاں آنسو پونچھ دیے"

آپ نے ایک اپج نکالی ہے کہ لڑکے تادیب سے خراب ہو جاتے ہیں، آپ کے خیال میں لڑکوں کو آزاد رہنا چاہیے ان پر کسی قسم کی بندش یا دباؤ نہ ہونا چاہیے۔ بندش سے آپ کے خیال میں لڑکے کی دماغی نشوونما میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ لڑکے شتر بے مہار بنے ہوئے ہیں کوئی ایک منٹ بھی کتاب کھول کر نہیں بیٹھتا۔ کبھی گلی ڈنڈا ہے کبھی گولیاں، کبھی کنکوے، حضرت بھی انہیں کے ساتھ کھیلتے ہیں چالیس سال سے تو متجاوز آپ عمر ہے مر لڑکپن دل سے نہیں گیا میرے باپ کے سامنے مجال تھی کوئی لڑکا کنکوا اڑا لے یا گلی ڈنڈا کھیل سکے خون پی جاتے، صبح سے لڑکوں کو پڑھانے بیٹھ جاتے اسکول سے جوں ہی لڑکے واپس آتے

پھر لے بیٹھتے۔بس شام کو آدھ گھنٹے کی چھٹی دیتے رات کو پھر کام میں جو دیتے یہ نہیں کہ آپ تو اخبار پڑھیں اور لڑکے گلی گلی کی خاک چھانتے پھریں کبھی آپ بھی سینک کٹا کر بچھڑے بن جاتے ہیں لڑکوں کے ساتھ تاش کھیلنے بیٹھ جاتے ہیں ایسے باپ لڑکوں پر کیا رعب ہو سکتا ہے ابا جان کے سامنے میرے بھائی سیدھے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے ان کی آواز سنتے ہی قیامت آ جاتی تھی انہوں نے گھر میں قدم رکھا اور خموشی طاری ہوئی ان کے روبرو جاتے ہوئے لڑکوں کی جان نکلتی تھی اور اسی تعلیم کی برکت ہے کہ سبھی اچھے عہدوں پر پہنچ گئے صحت البتہ کسی کی بہت اچھی نہیں ہے تو ابا جان کی صحت ہی کونسی بہت اچھی تھی بیچارے ہمیشہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا رہتے پھر لڑکوں کی صحت کہاں سے اچھی ہو جاتی لیکن کچھ بھی ہو تعلیم و تادیب میں انہوں نے کسی کے ساتھ رعایت نہیں کی۔

ایک روز میں نے حضرت کو بڑے صاحب زادے کو کنکوا کی تعلیم دیتے دیکھا یوں گھماؤ، یوں غوطہ دو، یوں کھینچو، یوں ڈھیل دو، ایسا دل و جان سے سکھا رہے تھے گویا گرو منتر دے رہے ہوں اس دن میں نے بھی ان کی ایسی خبر لی کہ یاد کرتے ہوں گے میں نے صاف کہہ دیا تم کون ہوتے ہو میرے بچوں کو بگاڑنے والے تمہیں گھر سے کوئی مطلب نہیں ہے نہ سہی لیکن آپ میرے بچوں کو خراب مت کیجئے، برے برے شوق نہ پیدا کیجئے اگر آپ انہیں سدھار نہیں سکتے تو کم سے کم بگاڑیے مت، لگے باتیں بنانے، ابا جان کسی لڑکے کو میلے تماشے نہ جاتے تھے لڑکا سرٹپک کر مر جائے مگر ذرا بھی نہ پسیجتے تھے اور ان بھلے آدمیوں کا یہ حال ہے کہ ایک ایک سے پوچھ کر میلے لے جاتے ہیں چلو چلو، وہاں بڑی بہار ہے، خوب آتش

بازیاں چھوٹیں گی، غبارے اڑیں گے ولایتی چرخیاں بھی ہیں ان پر مزے سے بیٹھنا اور تو اور آپ لڑکوں کو ہاکی کھیلنے سے بھی نہیں روکتے۔ یہ انگریزی کھیل بھی کتنے خوف ناک ہوتے ہیں کرکٹ، فٹ بال، ہاکی، ایک سے ایک مہلک گیند لگ جائے تو جان ہی لے کر چھوڑے۔ مگر آپ کو ان کھیلوں سے بڑی رغبت ہے کوئی لڑکا میچ جیت کر آجاتا تو کتنے خوش ہوتے ہیں، گویا کوئی قلعہ فتح کر آیا ہو۔ حضرت کو ذرا بھی اندیشہ نہیں ہے کہ کسی لڑکے کے چوٹ لگ گئی تو کیا ہوگا۔ ہاتھ پانو ٹوٹ گیا تو بیچاروں کی زندگی کیسے پار لگے گی۔

پچھلے سال لڑکی کی شادی تھی آپ کو یہ ضد تھی کہ جہیز کے نام کانی کوڑی بھی نہ دیں گے چاہے لڑکی ساری عمر کنواری بیٹھی رہے آپ اہل دنیا کی خبیث النفسی آئے دن دیکھتے رہتے ہیں پھر بھی چشم بصیرت نہیں کھلتی۔ جب تک سماج کا یہ نظام قائم ہے اور لڑکی کا بلوغ کے بعد کنواری رہنا انگشت نمائی کا باعث ہے اس وقت تک یہ رسم فنا نہیں ہوسکتی دو چار افراد بھلے ہی ایسے بیدار مغز نکل آئیں جو جہیز لینے سے انکار کریں لیکن اس کا الزام حالات پر کم ہوتا ہے اور برائی بدستور قائم رہتی ہے جب لڑکوں کی طرح لڑکیوں کے لیے بھی بیس پچیس برس کی عمر تک کنواری رہنا بدنامی کا باعث نہ سمجھا جائے گا اس وقت آپ ہی آپ یہ رسم رخصت ہوجائے گی میں نے جہاں جہاں پیغام دیے جہیز کا مسئلہ پیدا ہوا اور آپ نے ہر موقع پر ٹانگ اڑا دی جب اس طرح ایک سال پورا گزر گیا اور لڑکی کا سترھواں سال شروع ہوگیا تو میں نے ایک جگہ بات پکی کرلی حضرت بھی راضی ہوگئے کیوں کہ ان لوگوں نے قرارداد نہیں کی حالانکہ دل میں انہیں پورا یقین تھا کہ اچھی رقم ملے گی اور میں نے بھی طے

کرلیا تھا کہ اپنے مقدور بھر کوئی بات اٹھا نہ رکھوں گی شادی کے بخیر و عافیت انجام پانے میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن ان مہاشے کے آگے میری ایک نہ چلتی تھی یہ رسم بے ہودہ ہے یہ رسم بے معنی ہے، یہاں روپے کی کیا ضرورت؟ یہاں گیتوں کی کیا ضرورت؟ ناک میں دم تھا یہ کیوں، وہ کیوں، یہ تو صاف بہیس ہے۔ تم نے میرے منہ میں کالک لگا دی، میری آبرو مٹا دی ذرا خیال کیجئے بارات دروازے پر پڑی ہوئی ہے اور یہاں بات بات پر ردوقدح ہو رہی ہے شادی کی ساعت رات کے بارہ بجے تھی اس دن لڑکی کے ماں باپ برت رکھتے ہیں میں نے بھی برت رکھا لیکن آپ کو ضد تھی کہ برت کی کوئی ضرورت نہیں جب لڑکے کے والدین برت نہیں رکھتے تو لڑکی کے والدین کیوں رکھیں اور سارا خاندان ہر چند منع کرتا رہا لیکن آپ نے حسب معمول ناشتہ کیا، کھانا کھایا خیر رات کو شادی کے وقت کنیادان کی رسم آئی آپ کو کنیادان کی رسم پر ہمیشہ سے اعتراض ہے اسے آپ مہمل سمجھتے ہیں لڑکی دان کی چیز نہیں دان روپے پیسے کا ہوتا ہے جانور بھی دان دیے جا سکتے ہیں لیکن لڑکی کا دان ایک لچر سی بات ہے کتنا سمجھاتی ہوں" صاحب پرانا رواج ہے، شاستروں میں صاف اس کا حکم ہے عزیز و اقارب سمجھا رہے ہیں مگر آپ ہیں کہ کان پر جوں نہیں رینگتی کہتی ہوں دنیا کیا کہے گی؟ یہ لوگ کیا بالکل لامذہب ہو گئے مگر آپ کان ہی نہیں دھرتے پیروں پڑی، یہاں تک کہا کہ بابا تم کچھ نہ کرنا جو کچھ کرنا ہوگا میں کر لوں گی تم صرف چل کر منڈپ میں لڑکی کے پاس بیٹھ جاؤ اور اسے دعا دو مگر اس مرد خدا نے مطلق ساعت نہ کی آخر مجھے رونا آ گیا بپا کے ہوتے میری لڑکی کا کنیادان چچا یا ماموں کرے، یہ مجھے منظور نہ تھا میں نے تنہا کنیادان کی رسم ادا کی آپ گھر جھانکے

تک نہیں اور لطف یہ ہے کہ آپ ہی مجھ سے روٹھ بھی گئے بارات کی رخصتی کے بعد مجھ سے مہینوں بولے نہیں جھک مار کر مجھی کو منانا پڑا۔"

مگر کچھ عجیب دل لگی ہے کہ ان ساری برائیوں کے باوجود میں ان سے ایک دن کے لیے بھی جدا نہیں رہ سکتی۔ ان سارے عیوب کے باوجود میں انہیں پیار کرتی ہوں ان میں وہ کون سی خوبی ہے جس پر میں فریفتہ ہوں مجھے خود نہیں معلوم مگر کوئی چیز ہے ضرور جو مجھے ان کا غلام بنائے ہوئے ہے وہ ذرا معمول سے دیر میں گھر آتے ہیں تو میں بے صبر ہو جاتی ہوں ان کا سر بھی درد کرے تو میری جان نکل جاتی ہے آج اگر تقدیر ان کے عوض مجھے کوئی علم اور عقل کا پتلا، حسن اور دولت کا دیوتا بھی دے تو میں اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں یہ فرض کی بیڑی نہیں ہے ہرگز نہیں، یہ رواجی وفاداری بھی نہیں ہے بلکہ ہم دونوں کی فطرتوں میں کچھ ایسی رواداریاں، کچھ ایسی صلاحیتیں پیدا ہو گئی ہیں گویا کسی مشین کے کل پرزے گھس گھسا کر فٹ ہو گئے ہوں اور ایک پرزے کی جگہ دوسرا پرزہ کام نہ دے سکے چاہے وہ پہلے سے کتنا ہی سڈول، نیا اور خوشنما کیوں نہ ہو جانے ہوئے رستے سے ہم بے خوف، آنکھیں بند کیے چلے جاتے ہیں، اس کے نشیب و فراز، موڑ اور گھماؤ اب ہماری آنکھوں میں سمائے ہوئے ہیں اس کے برعکس کسی انجان رستے پر چلنا کتنی زحمت کا باعث ہو سکتا ہے قدم قدم پر گمراہ ہو جانے کے اندیشے، ہر لحہ چور اور رہزن کا خوف، بلکہ شاید آج میں ان کی برائیوں کو خوبیوں سے تبدیل کرنے پر بھی تیار نہیں۔

☆☆☆☆☆☆